خطاب: حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم
رئیس الجامعہ جامعہ دارالعلوم کراچی

مفتی بننا آسان نہیں

سال گذشتہ تعلیمی سال کے اختتام پر رئیس الجامعہ دارالعلوم کراچی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی دامت برکاتہم جامعۃ الحسن ساہیوال کی سالانہ تقریب میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے وہاں حضرت والا مدظلہم نے علماء کرام، طلبہ اور دیگر حاضرین سے جو بصیرت افروز خطاب فرمایا تھا افادۂ عام کے لئے وہ خطاب ہدیۂ قارئین ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ادارہ

بعد از خطبہ مسنونہ:

حضرات علماء کرام، محترم اساتذہ و ہونہار طلبہ! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میرے لئے بڑی سعادت اور خوش نصیبی کی بات ہے کہ اہل محبت اور علماء نے بڑی محبت اور بڑے اخلاص سے مجھ ناچیز کو یاد فرمایا۔ الحمد للہ میں یہاں جو منظر دیکھ رہا ہوں اس سے دل باغ باغ ہو رہا ہے۔ (اللھم لک الحمد ولک الشکر) آپ کے شہر ساہیوال میں نصف صدی سے بھی زیادہ ہو گیا ہے جب میں یہاں حاضر ہوا تھا۔ طالب علمی کا زمانہ تھا۔ اس وقت میری عمر تقریباً ۱۵ رسال ہوگی۔ اپنے والد ماجد مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی معیت میں حاضری ہوئی تھی۔ اور میرے برادر عزیز، جو الحمد للہ اب شیخ الاسلام ہیں، مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ہمارے ساتھ تھے۔ وہ عمر میں چھوٹے تھے۔ اس کے بعد کسی دینی مدرسے میں، کسی دینی ادارے میں حاضری نہیں ہوئی۔ اب تو دنیا بدل چکی ہے، دنیا بھی بدل گئی اور وہ اسلاف بھی رخصت ہو گئے جن کے ہم نام لیوا ہیں۔ جن کی گودوں میں پل کر دو حرف علم کے مل گئے۔ فللہ الحمد۔

یہ اجتماع اس اعتبار سے اپنی نوعیت کا انفرادی اجتماع ہے کہ یہ تخصص فی الافتاء کے فاضلین کے اعزاز میں منعقد کیا جارہا ہے۔ تفقہ جو مفتی کے لیے لازم وملزوم ہے، یہ اتنا اونچا مقام ہے کہ بہت کم لوگ وہاں تک پہنچتے ہیں۔ تفقہ فی الدین، قدوری، کنز اور ہدایہ کے فہم کا نام نہیں ہے، بلکہ پورے دین کی تحقیقی فہم رکھنا یہ تفقہ فی الدین ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا: "فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ" والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دارالعلوم کا مونوگرام اسی آیت کو بنایا تھا۔

الحمد للہ میں مبارک باد دیتا ہوں ان ہونہار طلبہ کو جنہوں نے درس نظامی سے فراغت حاصل کرنے کے بعد اس ادارے "جامعۃ الحسن ساہیوال" میں فتویٰ کی تربیت حاصل کی۔ اللہ تعالیٰ انہیں تفقہ فی الدین عطا فرمائے اور فقہی میدان میں ملک وملت کی صحیح رہنمائی کی توفیق نصیب فرمائے۔

میری عادت ہے کہ میں پوچھ لیا کرتا ہوں کہ اجتماع کس قسم کے حضرات کا ہے۔ مدرسوں کے اساتذہ، طلبہ وعلماء کا اجتماع ہے یا عوام کا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ ملاجلا اجتماع ہے، لیکن مجھے آثار ایسے نظر آرہے ہیں کہ شاید مدرسوں کے حضرات زیادہ ہیں۔ اپنے دل کی بات عرض کرتا ہوں کہ جب مدرسوں کے علماء اور طلبہ جمع ہوتے ہیں تو اس وقت میری کیفیت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے اور میں بتا نہیں سکتا کہ وہ لمحات میرے لیے کتنے لذیذ ہوتے ہیں جن میں علماء اور طلبہ سے بیان ہو۔

میں نے دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء میں ہوش کی آنکھ کھولی۔ والد صاحب صدر مفتی تھے۔ میری سب سے پہلی بسم اللہ ناظرہ سے ہوئی۔ دارالعلوم دیوبند میں پہلے بغدادی قاعدہ پڑھایا جاتا تھا۔ الحمد للہ، اللہ رب العزت نے بغدادی قاعدہ کا آغاز دارالافتاء میں حضرت والد صاحب سے کروایا۔ پھر پندرہ پارے دیوبند میں ہی حفظ کیے تھے۔ میں دارالعلوم دیوبند کا اور دارالعلوم دیوبند کے دارالافتاء کا ادنیٰ سا طالب علم ہوں۔ بزرگان دیوبند جو اس وقت حیات تھے، بڑے آفتاب ومہتاب تھے، ان سب کی زیارت نصیب ہوئی، ان کی شفقتیں بھی ملیں، ان کی برکتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ تو جب طلبہ یا علماء سے خطاب ہوتا ہے تو انتخاب کرنا مشکل ہوتا ہے کہ کیا بات کریں اور کہاں سے شروع کریں۔ اللہ کے حوالے ہے، اللہ کے سپرد ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حق بات حق نیت سے حق طریقے سے کہلوا دے۔

یہ جو میں نے دعا کی ہے اس کا بھی پس منظر ہے۔ والد صاحب نے فرمایا کہ ان کے استاذ شیخ الاسلام

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے فرمایا لوگ کہتے ہیں کہ آج کل وعظ ونصیحت کا کوئی فائدہ نہیں، بے کار ہے۔ کوئی سنتا ہی نہیں، ہر کوئی اپنی رائے پر عمل کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ فرمایا غلط ہے۔ قرآن کہتا ہے: "وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرٰى تَنفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ" تم نصیحت کرو، نصیحت مومنین کو فائدہ دیتی ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ فائدہ پہنچاتی ہے، تم کیسے کہتے ہو کہ فائدہ نہیں پہنچاتی؟ لیکن فرمایا کہ فائدہ پہنچنے کے لیے تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ بات حق ہو۔ بات ہی اگر غلط ہے تو کیا فائدہ ہوگا؟ دوسری شرط یہ ہے کہ طریقہ حق ہو کہ سنت انبیاء کے مطابق ہو۔ انبیاء علیہم السلام والا طریقہ ہو، حکمت والا ہو، موعظت والا ہو۔ "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ" انبیاء علیہم السلام کے طریقۂ دعوت سے پورا قرآن بھرا ہوا ہے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ نیت حق ہو، اپنی بڑائی جتانا یا شہرت طلبی مقصود نہ ہو۔ اللہ کے لیے ہو، لوگوں کو دکھانے کے لیے نہ ہو۔ یہ تینوں شرطیں پائیں جائیں تو فائدہ ضرور ہوتا ہے، کلام کبھی بے فائدہ نہیں جاتا۔ ہاں یہ ضروری نہیں کہ سب کو فائدہ ہو، کچھ کو ہو جاتا ہے اور کچھ کو نہیں ہوتا۔ کبھی یہ ہوتا ہے کہ اس وقت فائدہ نہیں ہوتا بعد میں ہو جاتا ہے اور کبھی یہ ہوتا ہے کہ سننے والوں کو اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا سنانے والے کو ہو جاتا ہے، مگر فائدہ پہنچتا ہے۔

ہوا یہ کہ درس نظامی میں، مَیں اور مولانا محمد تقی عثمانی ساتھ تھے۔ جب درس نظامی سے فارغ ہوئے تو حضرت والد صاحب نے ہم کو اور ہمارے چند اچھے اچھے ساتھیوں کو کہا کہ بھائی تم تخصص فی الافتاء کا کام کرو۔ خود ہی ہم کو لے کر بیٹھتے تھے اور کوئی استاذ نہیں تھا۔ ایک سال میں ہمیں تخصص کروایا۔ یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ برصغیر ہندوستان، بنگلہ دیش اور پاکستان میں پہلا تخصص فی الافتاء کا شعبہ یہی تھا جو والد صاحب نے اسی سال قائم کیا تھا۔

اس کے ساتھ ساتھ ہمیں اکثر کہا کرتے تھے کہ دیکھو بھائی تم نے فقہ ظاہر حاصل کرلی یہ بھی بہت بڑی دولت ہے۔ لیکن فقہ باطن ابھی باقی ہے اور تفقہ فی الدین دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ حدیث جبریل جو مشکوٰۃ اور دورۂ حدیث کے طلبہ نے پڑھی ہے اس میں حضرت جبریل علیہ السلام نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کی تعریف پوچھی تو فرمایا: "اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ، فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ" کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ تمہارے دل کا ایسا گہرا تعلق ہوجائے کہ تم جب بھی عبادت کرو تو یہ سمجھ کر کرو کہ وہ مجھے دیکھ

رہا ہے اور سن رہا ہے۔ یہ استحضار رہے دل کے اندر۔ تقریر کرتے وقت، سبق پڑھاتے وقت، بیوی بچوں کے ساتھ ہنستے بولتے وقت بھی، تفریح کے وقت بھی۔ سفر میں بھی حضر میں بھی، دوکان میں بھی مکان میں بھی، افسری میں بھی ماتحتی میں بھی، ہر وقت یہ احساس ہونے لگے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، سن رہا ہے، یہ ہے احسان، یہ ہے فقہ باطن۔ اخلاص ہو ریا اور نمود نہ ہو، تواضع اور انکساری ہو تکبر اور تعلی نہ ہو، سخاوت ہو کنجوسی نہ ہو، شجاعت ہو بزدلی نہ ہو، اللہ کا خوف ہو بے خوفی نہ ہو، اللہ کی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو۔ ان سب کا تعلق دل کے اعمال کے ساتھ ہے۔ باطن کے ساتھ ہے۔ تو والد صاحب نے فرمایا تم نے فقہ ظاہر تو حاصل کر لیا فقہ باطن ابھی باقی ہے۔ نجات نہیں ہے جب تک کہ باطن کی اصلاح نہ ہو۔ تمہارا دین بھی آدھا ہے، تمہارا علم بھی آدھا ہے۔ اپنے آپ کو ابھی عالم نہ سمجھنا۔ بھائی ایک بات بھی اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا، مفتیٔ اعظم فقیہ ملت کی زبان سے نکلی ہوئی باتیں آپ سے عرض کر رہا ہوں۔

اور فرمایا دیکھو یاد رکھو! ہم جو تمہیں سند دیں گے تمہارے مفتی ہونے کی سند نہیں دیں گے۔ ابھی تم مفتی نہیں، مفتی بننے میں تو تمہیں ابھی بہت وقت لگے گا۔ کسی ماہر مفتی کی نگرانی میں سالہا سال محنت کرنی پڑے گی۔ اس کی سرپرستی میں برسوں کام کرنا پڑے گا۔ جب کچھ اہل فتویٰ تمہارے فتووں پر اعتماد کرنے لگیں تو پھر تم کو کہا جائے گا کہ تم مفتی ہو گئے ہو۔ میں اپنے متخصصین سے ادب سے درخواست کر رہا ہوں کہ والد صاحب کے اس جملہ کو یاد رکھیے گا۔ میں آپ کو مفتی عبدالروف سکھروی صاحب کی مثال پیش کر رہا ہوں والد صاحب کے زمانہ سے مدرسی کا کام کر رہے ہیں اور کچھ عرصہ کے بعد فتوے کا کام شروع کر دیا تھا۔ اُنہیں برسوں کے بعد نائب مفتی مقرر کیا گیا۔ اب سے دو تین سال پہلے تک وہ نائب مفتی تھے جب کہ تیس سال سے فتوے کا کام کر رہے ہیں۔ ابھی تین چار سال پہلے ان کو مفتی کی مہر دی گئی ہے۔ اسی طریقہ سے مفتی محمود اشرف صاحب ہیں۔ الحمدللہ کتنے بڑے عالم اور مفتی ہیں، بخاری جلد ثانی بھی پڑھا رہے ہیں۔ ان کو بھی مفتی عبدالروف سکھروی صاحب سے ایک سال پہلے مفتی قرار دیا گیا، ورنہ وہ بھی اس سے پہلے نائب مفتی تھے۔

مفتی بننا آسان نہیں ہے، آج کل تو لوگوں نے مفتی بننا بہت آسان کر دیا ہے۔ اصل میں بعض طلبہ جب تخصص فی الافتاء میں داخلہ لیتے ہیں تو بریکٹ میں مفتی لکھنا شروع کر دیتے ہیں، پھر جب رفتہ رفتہ لوگوں کی زبان پر وہ لفظ چڑھ جاتا ہے تو سوچتے ہیں کہ کچھ تو ہوں گے تبھی تو اتنے سارے لوگ کہہ رہے ہیں!

چنانچہ وہ بریکٹ بھی ہٹ جاتی ہے۔

تو جو کچھ آپ نے کیا وہ معمولی کام نہیں، جس چیز کی آپ کو سند ملی وہ آسان کام نہیں ہے۔ تخصص فی الافتاء کا کام کرنا، اس امتحان میں کامیابی حاصل کرنا معمولی بات نہیں ہے اور بڑی محنت اور مشقت کا کام بھی ہے اور قابلیت کی بات بھی ہے، لیکن بات اتنی ہے کہ ابھی بریکٹ میں بھی مفتی لکھنا شروع نہ کرنا، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا: "اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا" والد صاحب نے تفسیر "معارف القرآن" میں اس کو بہت اچھے طریقے سے بیان کیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ جو عالم ہوگا وہ ڈرے گا، یہ مطلب نہیں کہ دوسرے نہیں ڈرتے۔ مطلب یہ ہے کہ جو عالم ہوگا وہ ڈرے گا ضرور، علماء کی خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ ڈرتے ضرور ہیں، عالم وہی ہے جو ڈرتا ہے اور اللہ کا خوف اس کے دل میں ہوتا ہے۔

نیز والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ کسی سے بیعت ہو جاؤ، اصلاحی تعلق قائم کرو۔ ہم نے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "قصد السبیل" کا مطالعہ کیا۔ اس میں لکھا ہے کہ شیخ کا انتخاب کیسے کریں؟ کیسے بزرگ کو اپنا شیخ اور مرشد بنایا جائے؟ تو اس کتاب میں یہ بھی ہے کہ شیخ سے عقیدت بھی ہو اور طبعی مناسبت بھی ہو۔ ہم ماشاء اللہ پانچ بھائی تھے۔ سب نے الگ بھی اور ایک ساتھ بھی والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے درخواست کی کہ ہمیں سب سے زیادہ عقیدت بھی آپ سے ہے اور مناسبت بھی آپ سے ہے، آپ ہمیں بیعت کر لیجیے۔ وہ ٹلا دیتے تھے کہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فلاں خلیفہ ہیں، ان سے بیعت ہو جاؤ۔ اُس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سارے خلفاء زندہ تھے، لاہور میں حضرت مفتی محمد حسن رحمۃ اللہ علیہ، ملتان میں حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ، ٹنڈو الہ یار میں حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ، کراچی میں حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری رحمۃ اللہ علیہ، مگر وہ ٹلاتے چلے گئے۔

۱۹۶۶ء کی بات ہے کہ والد صاحب ایک سفر میں ساؤتھ افریقہ تشریف لے گئے، میں بھی ساتھ تھا۔ وہاں صبح سے شام تک معتقدین کا اجتماع رہتا تھا۔ جلسے، تقریریں اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا۔ سخت سردی کا موسم تھا تو ایک رات بارہ بجے میں نے پھر عرض کیا کہ مجھے آپ بیعت کر لیجیے، مجھے آپ سے سب سے زیادہ عقیدت و محبت اور مناسبت ہے۔ اس مرتبہ والد صاحب نے تفصیلی جواب دیا اور فرمایا دیکھو ایسا

بھی ہوا کہ بیٹے باپ سے بیعت ہوئے اور ان کو فائدہ بھی ہوا ہے، لیکن اس کے لیے باپ کو بھی بہت احتیاط کرنی پڑتی ہے اور بیٹے کو بھی۔ اور باپ بیٹے کا تعلق بے تکلفی کا ہوتا ہے۔ اور پیر و مرشد کے ساتھ ابتدا میں بے تکلفی مفید نہیں ہوتی۔ اس واسطے جہاں تک اصلاح نفس کا تعلق ہے وہ تو تم فوراً شروع کر دو، میں تم کو کچھ معمولات بتاتا ہوں وہ کیا کرو، لیکن بیعت تم ہو جاؤ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی رحمہ اللہ سے جو حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ ہیں۔ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفا میں سے وہ اور والد صاحب رہ گئے تھے۔ فرمایا کہ وہ تمہارا خاص طور سے خیال کریں گے، مجھ سے وہ محبت فرماتے ہیں۔

اور جو بڑی عجیب بات فرمائی وہ علماء کے سننے کی ہے، فرمایا ایک فائدہ اُن کے ہاتھ پر بیعت کا یہ ہوگا کہ اگر دماغ میں علم کا کچھ خناس ہوگا تو وہ بھی نکل جائے گا، کیونکہ وہ ضابطے کے عالم نہیں ہیں، وہ ڈاکٹر ہیں، علی گڑھ میں پڑھا ہے، علی گڑھ میں ایل ایل بی کیا تھا۔ پھر اس کے بعد وکالت کی پھر حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت ہو گئے، پھر رفتہ رفتہ وکالت چھوڑ دی اور ہومیو پیتھک ڈاکٹر بن گئے اور آخر تک وہی ذریعہ معاش رہا۔ تو فرمایا ان سے بیعت کرنے سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ جب تم غیر عالم کے سامنے مرید بن کر بیٹھو گے تو دماغ میں اگر علم کا کوئی خناس ہوگا تو وہ بھی نکل جائے گا۔

اور یہ خناس ہوتا ہے، طلبہ جب فارغ التحصیل ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم علماء ہو گئے، علمائے حق۔ حق بھی ''موٹے قاف'' کے ساتھ کہتے ہیں۔ جب رذائل کا علاج ہو جاتا ہے تو پھر علماء بنتے ہیں، ستارے بنتے ہیں، مہتاب بنتے ہیں۔ پھر نبوت اور قرآن و سنت کا نور پھیلاتے ہیں۔ ان رگڑوں سے گزرتے ہیں، رگڑے کھانے پڑتے ہیں۔

خیر والد صاحب ہم کو حضرت ڈاکٹر عبدالحئی عارفی قدس اللہ سرہ کے پاس لے گئے۔ حضرت نے بڑی خوشی کا اظہار کیا، لیکن فرمایا کہ میں آج بیعت نہیں کروں گا۔ اکیلے خود آئیں تو پھر بیعت کروں گا۔ پیش نظر یہ تھا کہ باپ کے دباؤ میں آکر سبقت نہ کریں۔ اپنے شوق سے آکر بیعت کریں تو بیعت ہوگی۔

ہر باپ کے اپنے بیٹے پر احسانات ہوتے ہیں اور ہمارے والد صاحب تو چیز ہی کچھ اور تھے۔ ان کے کتنے احسانات ہیں مجھ پر!!! ان احسانات میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ہمارا ہاتھ ڈاکٹر عبدالحئی عارفی

رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ میں دے گئے، یہ اتنا بڑا احسان ہے کہ میں بتا نہیں سکتا۔ خیر اگلے دن جا کر ہم بیعت ہوئے، حضرت نے کچھ معمولات بتائے۔

والد صاحب کی جب وفات ہوگئی، جنازہ تیار تھا، چارپائی بچھی ہوئی تھی، میں چارپائی کے کنارے کھڑا تھا۔ حضرت ڈاکٹر صاحب بھی وہیں کھڑے تھے۔ میں نے کہا حضرت آپ کی موجودگی میں ہم اپنے آپ کو یتیم نہیں سمجھیں گے۔ اگر کوئی اور ہوتا تو کہتا ''ہاں ہاں بالکل'' حضرت نے چند لمحے سوچا، پھر فرمایا ان شاء اللہ میں اس کا حق ادا کرنے کی کوشش کروں گا۔ پھر وہ مرد مومن تھا جس نے والد صاحب کے انتقال کے بعد پورے دس سال تک وہ حق ادا کیا۔ وہ شیخ اور مربی بھی تھے اور باپ کا کردار بھی اسی شخص نے ادا کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے، ان کی شفقتوں کی داستان بہت طویل ہے۔

ایک اور بات آپ سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت کی خدمت میں رہتے ہوئے کافی عرصہ گزر چکا تھا۔ ایک دن فرمانے لگے: ''بھئی آپ تقریر نہ کیا کریں۔'' اس زمانے میں ہماری تقریریں بہت ہوتی تھیں۔ میں دارالعلوم کراچی کا مہتمم تھا، درجہ علیا کا استاد تھا، مسلم شریف پڑھاتا تھا، اخبارات میں اشتہارات چھپتے تھے۔ ریڈیو پر بھی تقریریں ہوتی تھیں۔ تو فرمایا بھائی آپ تقریریں نہ کیا کریں۔ اب ہم میں پوچھنے کی ہمت نہیں۔ اگلے ہفتے ہم پھر مجلس میں گئے تو پھر فرمایا بھائی تقریر نہ کیا کریں۔ ہم نے کہا لوگ ہماری تقریر کے لیے آتے ہیں، اصرار کرتے ہیں، مانتے ہی نہیں۔ حضرت نے فرمایا: انہیں میرے پاس بھیج دیا کرو۔ بس دارالعلوم میں رہا کرو اور دارالعلوم میں جمعہ کی تقریر جاری رکھو۔ طلبہ سے خطاب کرلیا کرو، لیکن باہر نہ جایا کرو۔ ریڈیو والے آئے تو انہیں بھی منع کردیا۔

ہمیں تعجب ہوتا تھا کہ اتنے نیک کام سے منع کررکھا ہے۔ میں نے ایک مضمون لکھا ''فقہ اور تصوف، ایک تعارف،، اب کتابی شکل میں چھپ گیا ہے۔ اس کا مسودہ میرے پاس تھا۔ حضرت مولانا مفتی جمیل رحمۃ اللہ علیہ جو روزنامہ ''جنگ'' کے اسلامی صفحے کے مدیر تھے، وہ آکر لے گئے اور جنگ میں چھاپ دیا۔ میں پیر کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا بھئی مولوی صاحب! اخبارات میں بیان بھی نہ دیا کریں۔ اخبارات میں بیان دینے کا کیا فائدہ؟

تقریباً ایک سال اسی طرح گزر گیا کہ ہم کسی تقریب میں نہیں گئے۔ ایک دن مغرب کی مجلس ختم ہوچکی

تھی۔ حضرت نے فرمایا نماز کے بعد ٹھہر جانا۔ ہم ٹھہر گئے، حضرت نماز کے بعد گھر تشریف لے گئے اور بہت سارے خطوط لے کر آئے۔ یہ سب مدینہ طیبہ سے آئے تھے اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط تھے۔ فرمایا: حضرت نے یہ میرے پاس بھیجے ہیں اور یہ سارے خطوط تم دونوں بھائیوں کے بارے میں ہیں۔ حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ اتنے مصروف، اتنے مریدین، مشاغل اور اسفار۔ اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ والد صاحب جب حیات تھے تو ہمیں ان کے پاس لے جاتے اور جب وہ کراچی آتے تو حضرت والد صاحب سے ملنے آتے اور مجھے تمام کتب کی اجازت بھی عطا فرمائی تھی، لیکن یہ تصور نہیں تھا کہ وہ ہم سے اتنی محبت فرماتے ہیں۔ اتنے سارے خطوط ہم دونوں بھائیوں کے بارے میں لکھے ہیں۔

ہم سے حضرت والا نے فرمایا پڑھ لو۔ جب پڑھا تو مضمون سب کا ایک ہی تھا کہ مجھے بڑی خوشی ہے یہ صاحبزادے آپ کی زیر تربیت ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ ان پر خصوصی توجہ فرمائیے گا۔ مجھے ان کے بارے میں ''کبر'' کا اندیشہ ہے۔ اور اندیشہ بالکل بجا تھا۔ کیونکہ عام طور سے بڑوں کی اولاد میں صاحبزادگی کا مزاج پیدا ہو جاتا ہے۔ پھر حضرت عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ''مولوی صاحب! میں نے آپ کے اوپر جو تقریر کی پابندی لگائی ہے، وہ اس لیے کہ آپ لوگوں کو ابھی بلوغ نہیں ہوا۔'' اس وقت میری عمر پچاس سال تھی۔ تدریس کرتے کرتے تقریباً ۳۰ سال گزر چکے تھے۔ تو فرمایا: ''ابھی تک بلوغ نہیں ہوا۔ جب بلوغ ہوگا تو پھر ان شاء اللہ کسی کے منع کرنے سے بھی نہیں رکیں گے۔'' اس کے بعد الحمد للہ ہم نے پورے دس سال تک اس کی پوری پابندی کی۔

ایک مرتبہ فیصل آباد سے ہمارے شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد رحمۃ اللہ علیہ کا میرے پاس ٹیلیفون آیا۔ وہ بھی حضرت سے اصلاحی تعلق رکھتے تھے اور حضرت ڈاکٹر صاحب نے ہم دونوں کو ایک ساتھ اجازت، خلافت عطا فرمائی تھی۔ ان کا فون آیا کہ بھئی ہم فلاں موقع پر جلسہ کر رہے ہیں، آپ ضرور آئیں۔ میں نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ ہم پر پابندی ہے، ہم نہیں آسکتے۔ فرمایا نہیں، حضرت سے میں بات کرلوں گا۔ میں نے کہا آپ جانیں آپ کا کام جانے، مگر ان سے بات کرتے وقت میرا نام نہ لیجیے گا۔ میں آپ سے نہیں کہہ رہا کہ حضرت سے بات کرو۔ کہا نہیں نہیں، میں بات کرلوں گا۔ میں نے کہا بار بار کہہ رہا ہوں میرا نام نہ لینا۔ پھر جب میں پیر کو مجلس میں پہنچا، مجلس ہوگئی، مغرب کے بعد حضرت فرمایا: ''مولوی رفیع (اچھا ایسے پیار
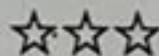
سے کہتے مولوی رفیع!!!) مولوی نذیر کا فون آیا تھا۔ وہ جلسہ کرنا چاہ رہے ہیں۔ اپنا آدمی ہے، چلے جاؤ!!! ماشاء اللہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ مدرسے میں چلے جاؤ۔"

ابھی جلسے میں کچھ دن تھے، بیچ میں کئی مجالس اور بھی آئیں۔ اب جانے کے بارے میں ہدایات دی جا رہی ہیں کہ وہاں جاؤ گے نا، تو ایک بات کا خیال رکھنا۔ فرمائشی تقریریں کبھی نہ کرنا۔ مطلب یہ تھا کہ فرمائش ہوتی ہے کہ فلاں موضوع پر آپ تقریر کر دیں۔ نہیں، فرمائشی تقریر کبھی نہ کرنا۔ اور رسمی تقریریں کبھی نہ کرنا کہ بہت اچھا اور بڑا مدرسہ ہے۔ بہت خوشی ہوئی، مبارک ہو۔ جو رسمی باتیں ہوتی ہیں، رسمی تقریریں ہوتی ہیں وہ کبھی نہ کرنا۔ جہاں جاؤ یہ دیکھو زخم کہاں ہے؟ وہاں مرہم لگاؤ۔ اور دیکھو جانے سے پہلے یہ دعا بھی پڑھ لینا، راستے میں یہ دعا پڑھنا، تقریر کرتے وقت یہ دعا پڑھنا۔ جب تم سفر پر جاؤ تو دو رکعت صلاۃ السفر پڑھنا۔ پہلی رکعت میں فلاں سورت پڑھنا، دوسری میں فلاں۔ یہ سکھا کے، سبق پڑھا کے بھیجا۔ یہاں سے دس سال کے بعد پابندی ہٹی۔

میں آپ کو یہ سب باتیں سنا رہا ہوں " فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ." (حاضرین یہ باتیں غائبین تک پہنچائیں) میرا خیال ہے اگرچہ جلسہ عام ہے، سب بھائیوں اور خواتین کے مطلب کی بات تو شاید نہیں ہو سکی، لیکن جن کے مطلب کی بات نہیں ہوئی ان کی اولاد کے لیے کارآمد ہو گی۔ ان شاء اللہ وہ بھی فائدے سے خالی نہیں رہیں گے۔ اس پر اپنی بات کو ختم کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین.

facebook.com/ masimfarooq

☆☆☆

(بشکریہ دین کی دنیا)